مباحثہ ومکالمہ

محمد انس حسان *

سید احمد شہید کی تحریک اور تحریک طالبان کا تقابلی جائزہ

محترم ڈاکٹر عرفان شہزاد صاحب کا مضمون ''سید احمد شہید کی تحریک جہاد: ایک مطالعہ'' ماہنامہ الشریعہ (دسمبر ۲۰۱۵ء) میں شائع ہوا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے سید احمد شہید کی تحریک اور تحریک طالبان کے مابین مماثلت پر مبنی یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر سید احمد شہید اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے مسلح جدوجہد کرتے ہیں تو اس جدوجہد کو جہاد کا نام دیا جاتا ہے اور یہی عمل اگر طالبان کرتے ہیں تو اسے دہشت گردی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون کے آخری نوٹ میں تحریر کیا ہے کہ:

> ''یہاں ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا۔ اگر ہم پہلے فریق (سید احمد شہید) کو درست قرار دیتے ہیں تو اس دوسرے فریق (طالبان) کو غلط نہیں کہہ سکتے۔ اگر دوسرا غلط ہے تو پہلے کی تغلیط کی ہمت بھی لامحالہ کرنا ہوگی۔ ہمیں اس دوغلے پن سے براءت کا اعلان کرنا ہوگا''۔ (ص ۴۰)

یہ وہ سوال ہے جس پر گذشتہ کچھ عرصے میں موافق ومخالف بہت کچھ لکھا گیا ہے اور اس تناظر میں بنیادی طور پر دو سوچیں ابھر کر سامنے آئی ہیں۔ پہلی سوچ کے حامل طبقے نے اپنے نظریات کو اصولی طور پر سیدین کی تحریک سے مماثل قرار دے کر مسلح جدوجہد کا جواز پیدا کیا۔ جبکہ دوسرے طبقے نے اس بیانیے پر تحقیق کرنے کی بجائے مسلح جدوجہد کی مماثلت کی بنیاد پر دونوں تحریکات کو باطل قرار دینے کی کوشش کی۔ تاہم اب تک کوئی سنجیدہ کوشش اس بابت کم از کم ہماری نظر سے نہیں گزری کہ جس میں ان دونوں تحریکات کا جذباتیت اور قلبی وابستگی سے بالاتر ہو کر حقیقت پر مبنی تجزیہ کیا گیا ہو۔

یہ موضوع اپنی ماہیت اور حیثیت کے اعتبار سے تفصیل کا متقاضی ہے اور اس پر متوازن مباحثے کی ضرورت بھی ہے۔ اس ضمن میں محترم عرفان شہزاد کی بات کو قدرے وسعت دیتے ہوئے ان تحریکات کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے چند طالب علمانہ نکات پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

بنیادی طور پر ان تحریکات کے تقابلی جائزے کے لیے دو پہلوؤں پر غور وفکر کی زیادہ ضرورت ہے۔ پہلی یہ کہ فکری و نظریاتی اعتبار سے ان دونوں تحریکات میں کیا مماثلت ہے؟ دوسرے یہ کہ ناکامی ونتائج کے اعتبار سے ان دونوں تحریکات میں کیا مماثلت ہے؟

* گورنمنٹ ڈگری کالج جہانیاں۔ پاکستان۔ anskashmiri@gmail.com

کسی بھی تحریک کے مطالعے کے لیے اس دور کے حالات اور تقاضے سامنے ہونا ضروری ہیں۔ اگر اس اصول کو نظر انداز کیا جائے گا تو بہت سی تحریکات کے حوالے سے شکوک وشبہات جنم لیں گے اور کسی بھی تحریک کو دوسری تحریک کے مماثل قرار دینے کے حوالے سے متعدد قرآئن بہ آسانی مل جائیں گے۔ سید احمد شہید کی تحریک جس دور میں بپا ہوئی وہ برصغیر میں انگریز سامراج کا دور استبداد تھا۔ مسلمان غالب سے مغلوب ہوئے تھے اور ان میں اس سوچ کا پیدا ہونا فطری تھا کہ اس اس بدیسی قوت کے خلاف ہمیں جدوجہد کرنا ہوگی ورنہ ہماری حالت بھی اندلس سے مختلف نہ ہوگی۔ اس بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سید احمد شہید کی تحریک ایک قومی تحریک تھی۔ البتہ ان کی تحریک میں یمن ونجد کے علماء کے شاگردوں کا جو محدود طبقہ شامل ہو گیا تھا، اس نے اس قومی تحریک کو نقصان پہنچایا۔ اس کے برعکس تحریک طالبان (جو روس کی پسپائی سے قبل تحریک مجاہدین کے نام سے ملقب تھی) میں محض روس سے نجات مقصد نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو روس کے جانے کے بعد آپس کی خانہ جنگی کی نوبت نہ آتی۔ نیز اس تحریک میں تمام دنیا سے جذباتیت کی حد تک اسلام سے وابستگی رکھنے والے مسلمانوں کو دعوت دی گئی، جس سے یہ تحریک قومیت کے عصری رجحانات سے ہٹ گئی اور دنیا کے مختلف خطوں سے آئے لوگوں نے اپنے ملکوں میں بھی اسلامائزیشن کے رجحانات کو ہوا دی۔

سید احمد شہید کی تحریک دراصل اپنا ایک سیاسی پس منظر رکھتی تھی اور فکری طور پر امام شاہ ولی اللہ کی فکر سے متاثر تھی۔ چنانچہ اس تحریک کا ایک فکری تسلسل تھا جو اس تحریک کی ناکامی کے بعد بھی جاری رہا۔ (اس حوالے سے راقم کا ایک مقالہ ''الایام'' کراچی میں شائع ہوا ہے جس میں تفصیل ملے گی)۔ سیدین کی تحریک کی ناکامی کے بعد ان کی جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ چنانچہ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ حجاز تشریف لے گئے مگر وہاں رہ کر تحریکی کام کو نیا رخ دینے میں مصروف عمل رہے۔ جبکہ مولانا ولایت علی نے ہندوستان میں رہ کر اپنی الگ جماعت تشکیل دی اور ان کی جماعت میں یمنی اور نجدی ذہنیت کا حامل وہ طبقہ بھی شامل ہو گیا جس کے پرتشدد مزاج اور مسلکی تعصب کے باعث افغان مخالف ہو گئے تھے اور سیدین کی تحریک ناکام ہوئی تھی۔ چونکہ سیدین کے بعد ان کی جماعت کا برصغیر کی حد تک تعارف اسی جماعت کے سبب تھا اس لیے اس جماعت کے پرتشدد مزاج نے سید احمد شہید کے تصور جہاد کو سخت نقصان پہنچایا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعد میں مولانا ولایت علی کی جماعت کے لوگوں نے بھی کانگرس میں شمولیت اختیار کر کے عدم تشدد کا راستہ اپنایا۔ سید احمد شہید کے تصور جہاد میں عوامی بہبود، اصلاح معاشرت اور عقائد کی درستگی سب شامل تھیں۔ چنانچہ ان کے تصور جہاد سے محض مسلح جدوجہد مراد لینا اس کی وسعت کو محدود کرنے کے مترادف تھا۔ اس کے برعکس تحریک طالبان کا وہ طبقہ جس کے پیش نظر سید احمد شہید کی محض مسلح جدوجہد تھی، اسے شاید یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ جس تحریک سے وہ خود کو منسوب کر رہے ہیں اس کا ایک فکری تسلسل تھا جو اس تحریک کی ناکامی کے بعد بھی جاری رہا۔ چنانچہ تحریک کی ناکامی کے بعد مولانا اسحاق دہلویؒ اور مولانا امداداللہ مہاجر مکیؒ نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو تیار کیا جنہوں نے اس تحریک کو تعلیمی وتربیتی شکل دی اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ جیسے انسان کو تیار کیا جنہوں نے برصغیر کی تاریخ آزادی میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ تحریک ریشمی رومال تک اس جماعت کی پالیسی انگریز سامراج کے خلاف مزاحمتی جدوجہد کی تھی کیونکہ اس دور میں اسی طریقے کو رواج تھا۔ نیز چونکہ خلافت عثمانیہ کی مرکزیت

کمزور ہی سہی مگر موجود تھی اس لیے اس جد وجہد میں بین الاقوامی تعاون سے بھی دریغ نہیں کیا گیا تھا۔ تاہم سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد عالمی منظر نامہ تبدیل ہوا۔ چنانچہ تحریک ریشمی رومال کی ناکامی کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ جب مالٹا کی قید سے واپس ہوئے تو انہوں نے جماعت کی پالیسی تبدیل کی اور عدم تشدد، قومی سیاست، عصری و دینی تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تربیت کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر اس تحریک کو ایک نئے دور میں داخل کیا۔ چنانچہ ان کی اس پالیسی کو جمعیۃ العلمائے ہند نے جاری رکھا اور بعد کے حالات میں عدم تشدد کے اصول پر قومی جد وجہد کا آغاز کیا۔ اس لیے اسی پالیسی کو حتمی سمجھا جانا چاہیے تھا۔ تحریک پاکستان کی مخالفت بھی جمعیۃ العلمائے ہند نے اسی بنا پر کی تھی کہ ان اصولوں پر زد پڑتی تھی اور اسی اختلاف پر دیوبندی جماعت مدنی اور تھانوی گروپ میں تقسیم ہوئی تھی۔

تحریک پاکستان کے حوالے سے دیوبندیت دو حصوں یعنی مکتب تھانوی اور مکتب مدنی میں تقسیم ہوئی۔ ان دونوں مکاتب فکر میں بنیادی طور پر سیاسی اختلاف تھا جو بعد میں بڑے دور رس نتائج پر منتج ہوا اور کوئی مانے یا نہ مانے اس سیاسی اختلاف کا اثر اب تک محسوس کیا جا سکتا ہے۔ گو اس ضمن میں تطبیق اور اتفاق رائے کی بہت سی کوششیں بھی ہوئیں۔ تحریک پاکستان سے قبل حضرت تھانویؒ مکتب فکر کا کوئی سیاسی کردار نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ نے جب حضرت تھانویؒ کو تحریک آزادی میں شمولیت کی دعوت دی تھی تو حضرت تھانویؒ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی تھی کہ ان کا مزاج سیاست سے مناسبت نہیں رکھتا۔ شاید یہی حضرت تھانویؒ کا عمومی مزاج تھا جبکہ ان کے فکر وعمل کی اصل جولان گاہ تصنیف و تالیف کا میدان تھا۔ مگر نہ صرف تحریک پاکستان میں بلکہ پاکستان بن جانے کے بعد بھی ایک عرصے تک حضرت تھانویؒ کے نام لیواؤں نے سیاسی تحریکات میں برابر حصہ لیا۔ سیاسی ناتجربہ کاری و عدم پختگی کے باعث حضرت تھانویؒ سے اس مکتب فکر کی نسبت محض نام کی حد تک تھی۔ مدنی مکتب فکر نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی اور اس سبب بہت کچھ خود کو مطعون بھی کیا تھا۔ جمعیۃ ہی نہیں خود حضرت مدنیؒ کی ذات پر بہت کیچڑ اچھالا گیا مگر ان کی طرف سے عدم تشدد کا مظاہرہ کیا گیا۔ تقسیم کے بعد بھی حضرت مدنیؒ اور ان کی جماعت ہمیشہ عدم تشدد پر بڑی سختی سے کاربند رہے اور تقسیم کو دل و جان سے قبول کیا۔ تقسیم کے بعد شروع میں تو مکتب تھانوی نے ایک عرصے تک تو سیاست میں حصہ لیا مگر جب اپنے خوابوں کو شرمندہ تعبیر ہوتے نہ دیکھا تو ایک حد تک کنارہ کشی اختیار کی اور اپنی سیاسی غلطی پر سوال کے ڈر سے درس و تدریس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ مکتب مدنی کا اصل جوہر ہندوستان میں رہ گیا تھا مگر مکتب تھانوی کی سیاسی کنارہ کشی نے مکتب مدنی کو یہ خلا پر کرنے پر ابھارا اور ستر کی دہائی تک پاکستان کے معروضی حالات میں جمعیۃ نے بھرپور سیاسی کردار ادا کیا۔ تاہم پاکستان کی جمعیۃ اور ہندوستان کی جمعیۃ دونوں کی سیاسی ترجیحات میں نمایاں فرق رہا۔

ستر کی دہائی کے بعد جب امریکہ بہادر نے سرد جنگ کے لیے ماحول بنانا چاہا تو ضیاء الحق کے ذریعے پاکستان میں موجود جمعیۃ کے مذہبی اثر و رسوخ کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ چنانچہ ایک طرف مکتب مدنی کے نام لیوا علماء (جمعیۃ) کی ایک بڑی تعداد بھی حالات کی رو میں بہہ گئی اور تحریک طالبان کی حمایت میں کھل کر سامنے آ گئی۔ اس دور میں مکتب مدنی کے بعض علماء نے اسے شیخ الہندؒ اور مولانا مدنیؒ کے اصولوں سے روگردانی قرار دیتے ہوئے مخالفت بھی کی مگر انہیں دیوار کے ساتھ لگا دیا گیا۔ دوسری طرف مکتب تھانوی کے نام لیوا علماء جو سیاست سے کنارہ کشی اختیار

کیے ہوئے تھی ایک مرتبہ پھر سیاست میں آئے اور تحریک طالبان کی حمایت میں متعدد فتاویٰ جاری کیے اور کتب لکھیں۔ اس کا معاوضہ انہیں مدارس کی بڑی بڑی عمارت اور لاکھوں مالیت کے چندوں سے نوازا گیا۔ پاکستان میں ان دونوں مکاتب فکر نے تحریک طالبان کی مکمل حمایت کی اور سرمایہ دارانہ نظام کا آلہ کار بن کر سوشلسٹ نظام کو شکست دینے میں اپنا کردار ادا کیا۔ لیکن جب عالمی منظر نامہ تبدیل ہوا اور وقت کے مجاہد وطن کے غدار ٹھہرے تو ان دونوں مکاتب فکر نے بڑی چابک دستی سے اپنی پالیسی تبدیل کی۔ چنانچہ ایک مکتب فکر اپنا ماضی کا ٹریک ریکارڈ اٹھا کر ثابت کرنے لگا کہ ان کا تو کبھی سیاست سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا اور مسجد و مدرسہ کی گوشہ نشینی اور تعلیم و تعلم ہی ہمیشہ ان کا شعار رہا ہے۔ جبکہ دوسرے مکتب فکر نے سیاست کی چھتری کے نیچے اپنے حواریوں سمیت پناہ لی۔ البتہ مطعون مدنی فکر کو اپنے سیاسی پس منظر کے باعث ہونا پڑا۔

اس دور میں پاکستانی مدارس کے طالبان کی ریکروٹمنٹ کے لیے ضروری تھا کہ ان کی مناسب ذہن سازی کی جائے اور ماضی کے کرداروں کو نئے روپ میں پیش کر کے ان کے جذبے کو مہمیز دی جائے۔ اس ضمن میں ماضی کی قریب ترین مثال سید احمد شہید اور ان کی تحریک کی شکل میں موجود تھی۔ پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ اس تحریک کا تعلق بھی قریب اسی خطے سے تھا جس خطے میں یہ تحریک برپا ہونے جا رہی تھی۔ اسی بناء پر سید احمد شہید کی تحریک کو پاکستانی طالبان کے لیے ایک رول ماڈل کے طور پر پیش کیا گیا اور تھانوی و مدنی مکتب فکر کے نام لیواؤں کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی اور متعدد دوسری جماعتوں کے سرکردہ علماء نے اس کی سرپرستی کی۔ قطع نظر اس بات کے کہ حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کی اصولی فکر سے ان دونوں مکاتب فکر کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ایک مخصوص دور تک تو اس ترکیب نے کام کیا لیکن جب عالمی منظر نامہ تبدیل ہوا اور سامراج کی ضرورت پوری ہوگئی اور انہی طالبان کو دہشت گردوں کے خطاب سے نوازا گیا تو ان تحریکوں کی سرپرستی کرنے والے مقدس ہاتھوں نے بھی ان کے سروں سے ہاتھ کھینچ کر انہیں تحریکی یتیمی کا شکار کر دیا۔ چنانچہ جس مائنڈ سیٹ کی تخلیق میں دہائیاں صرف ہوئی تھیں چونکہ اس کو یکا یک تبدیل کیا جانا ممکن نہیں رہا تھا، اس لیے اس کے آفٹر شاکس سے قوم اب تک دوچار ہے۔

آج عالمی سامراج خود اس بات کا اعتراف کر رہا ہے کہ ہم نے روس کے خلاف طالبان کو استعمال کیا اور متعدد ثبوت اس کے سامنے بھی آ چکے ہیں۔ اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن علماء عظام اور مفتیان کرام نے دینی مدارس کے مخلص طلباء کے جذبات کو استعمال کیا اور انہیں سیدین کی تحریک جیسی آزادی پسند تحریکوں کا جانشین قرار دے کر عالمی سامراج کی جنگ میں جھونکا، کیا وہ اب بھی اپنے اسی مؤقف پر قائم ہیں؟ ہمارے وہ علماء و شیوخ جنہوں نے افغانستان کے حوالے سے جہاد کے فتاویٰ شائع کروا کر بلکہ اس میں خود عملاً شریک ہو کر ''شیخ المجاہدین'' اور ''سرپرست مجاہدین'' کے القابات پائے اور اس عمل کو ''اعلاء کلمۃ الحق'' کا عظیم فریضہ قرار دیا، آج پاکستان کے معروضی حالات میں ان کی فقہی بصیرت نے انہیں خاموش کیوں کر رکھا ہے۔

اس سب کے باوجود یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ تحریک سیدین اور تحریک طالبان میں نتیجے کے اعتبار سے بعض چیزیں مماثل بھی نظر آتی ہیں۔ مثلاً تشدد کا جو عنصر سیدین کی تحریک میں شامل ہوا وہ ہمیں تحریک طالبان میں بھی نظر آتا

ہے۔فرق یہ ہے کہ پہلی تحریک میں یہ عنصر مسلکی وفروعی تھا جبکہ دوسری تحریک میں یہ قبائلی اور لسانی تھا۔تاہم نتیجہ دونوں کا یکساں تھا۔اسی طرح حالات وزمانہ کی رعایت کو جس طرح سیدین کی تحریک میں نظر انداز کیا گیا، وہی طرز عمل ہمیں تحریک طالبان میں بھی نظر آتا ہے۔سیدین کی تحریک کی ناکامی کے نتیجے میں جو تشدد پسندانہ ذہنیت الگ ہوئی وہی تشدد پسندانہ ذہنیت ہمیں تحریک طالبان میں بھی نظر آتی ہے،جس نے عالم اسلام میں ایک طوفان بدتمیزی بپا کر رکھا ہے۔اگر غور کیا جائے تو جنگ صفین میں بھی اس طرح کی تشدد پسند ذہنیت خوارج کی شکل میں الگ ہوئی تھی۔بہر حال جو عسکری اغلاط سیدین کی تحریک کے ناکام ہونے کا سبب بنیں ان میں سے اکثر اغلاط تحریک طالبان میں بھی دہرائی گئیں۔اس پہلو پر سید احمد شہید کی تحریک پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے جس کا اعادہ سعی لاحاصل ہے۔

خلاصہ یہ کہ سیدین کی تحریک کی ناکامی کے بعد مولانا ولایت علی اور ان کی جماعت نے اپنی نسبت سید احمد شہید کی طرف منسوب کی اور سید احمد شہید کے تصور جہاد کی ہمہ گیریت کو قتل وغارت گری اور تشدد وتعصب کے ذریعے مسخ کیا۔ تاہم سید احمد شہید کی جماعت کے حقیقی حاملین نے اسے پیش آمدہ قومی وجمہوری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور تشدد کی بجائے عدم تشدد کا اصول اپنایا۔اس بناء پر اب کوئی بھی تحریک جو اپنی نسبت سید احمد شہید کی طرف کرتی ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اگر وہ تشدد کی راہ پر ہے تو اس کی نسبت سیدین کی تحریک سے وہی ہوگی جو مولانا ولایت علی اور ان کی جماعت کی تھی۔اس ضمن میں برصغیر کی کوئی بھی اسلامی تحریک اس فکری تسلسل کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔بہر کیف سیدین کی تحریک ایک قومی تحریک تھی جس نے برصغیر کی آزادی میں نمایاں کردار ادا کیا جبکہ تحریک طالبان عالمی سامراج کی جنگ تھی جس میں ہماری حیثیت محض کرایے کے سپاہی کی تھی۔اس کرایے کی جنگ کو حقیقی آزادی پسند قومی تحریک سے کیونکر نسبت ہو سکتی ہے۔

بنابریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نتائج کے اعتبار سے تو بعض جگہ دونوں تحریکات میں مماثلت ہے مگر فکری ونظریاتی اعتبار سے تحریک طالبان کو سیدین کی تحریک سے دور کی بھی کوئی نسبت نہیں۔جو علماء کرام حقیقی دیوبندیت بالخصوص مدنیت وتھانویت کے تناظر میں تحریک طالبان کو سیدین کی تحریک کے مماثل قرار دینے کی تاویل کرتے رہے ہیں ان کی خدمت میں عرض ہے کہ ان کی فکر کا تعلق کم از کم اس دیوبند سے تو نہیں ہے جو حضرت مدنی اور حضرت تھانوی کا دیوبند تھا۔

ناشرین حضرات سے گذارش

ماہنامہ ''الشریعۃ'' میں **کتابوں پر عمومی تبصرے** کا سلسلہ ایک عرصے سے بند کر دیا گیا ہے۔ناشرین سے گذارش ہے کہ از راہِ کرم اس مقصد کے لیے کتابیں ارسال نہ کی جائیں۔البتہ **الشریعہ اکادمی کی لائبریری** سے طلبہ ومحققین مسلسل رجوع کرتے رہتے ہیں۔اگر انھیں مستفید کرنا مقصود ہو تو کتاب براہ راست اکادمی کے لائبریرین کے نام بھیجی جا سکتی ہے۔ (ادارہ)